گوردت سنگھ دارا کی سیرت نگاری کا ادبی پہلو

ڈاکٹر حافظ محمد نعیم، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، جی سی یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر محمد امجد عابد، لیکچرر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Abstract

In Subcontinent a number of Hindu and Sikh authors wrote sirah of the Holy Prophet (PBUH). Among these Sardar Gordat Sing Dara has compiled a biography of Prophet Muhammad (PBUH) entitled "Muhammad ki Sarkaar". The same book was reprinted bearing another title "Rasool-e-Arabi". This book has unique attributes and wonderful features. One of these is its literary style. The writer has quoted lot of Urdu, Persian and Arabic couplets while throwing light on the incidents of Sirah. He has also quoted lot of Urdu and Hindi idioms, phrases and proverbs to elucidate relevant situations. This idiomatic and poetic aspect of the Dara's sirah writng creates an effective and everlasting impression and satisfies the literary taste of a reader. In this article an attempt has been made to analyze literary style of sirah writing adopted by G.S.Dara.

''محمد ﷺ کی سرکار'' یا ''رسول عربی ﷺ'' پروفیسر جی ایس دارا بیرسٹرایٹ لاء، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ پنجاب کی تصنیف ہے جو آنحضور ﷺ کے حضور ایک شاندار نذرانہ عقیدت ہے۔ مصنف کی تحریر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ عقیدت ومحبت اور احترام کی جھلک واضح طور پہ دیکھی جاسکتی ہے۔ کتاب کا حرف حرف صاحب کتاب کے اخلاص اور پیغمبر ﷺ کے لیے سچے جذبات کی گواہی دیتا ہے اور بقول عبدالماجد دریا آبادی[۱] ''ایک مسلمان کو بھی اس خلوص نیاز پر رشک آنے لگتا ہے۔''[۲] دارا صاحب کا تعلق پنجاب کے ایک معزز اور علم دوست گھرانے سے تھا۔ جب وہ پنجاب میں اپنی تعلیم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے گورنمنٹ کے محکمہ مال میں ملازمت اختیار کی۔ ان کے والد تحصیل دار تھے۔ ان کی ملازمت بھی تحصیلداری کی حیثیت سے شروع ہوئی لیکن ملازمت سے ہم آہنگی نہ ہو سکی اور ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ملازمت چھوڑنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں خود اٹھارہ سال کی عمر میں نائب تحصیلدار کی حیثیت سے ملازم ہوا۔ دس سال کئی ایک اسامیوں پر تعینات رہ کر آخر ملازمت سے سبکدوشی اختیار کی ۔ترکِ ملازمت کی اصل وجہ بھی رشوت اور تعصب کے بھوت تھے جن سے بہت دیر تک میں جدوجہد کرتا رہا۔ آخر ہار کر میدان چھوڑا اور بھاگ نکلا۔''(۳)

دارا صاحب جنگ اول (۱۹۱۴ء) کے دنوں میں انگلینڈ آئے یہاں سے آئر لینڈ گئے اور ۱۹۱۷ء میں بیرسٹری کر کے وطن واپس آئے اور لاہور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ کی حیثیت سے کام کیا لیکن اس پیشہ میں بھی زیادہ عرصہ نہ چل سکے اور ۲۰۔۱۹۱۹ء میں لندن کا رخ کیا اور وہاں سے رسالہ ''ہند'' (انڈیا ٹائمز) شروع کیا۔۴ مالی اعتبار سے اس میں ہمیشہ نقصان رہا لیکن اس کو پھر بھی چلاتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں جب دارا صاحب لندن گئے تو ان کے مطابق اس کتاب کا مسودہ ان کے پاس موجود تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ترمیم و اضافہ کرتے رہے۔ سید سلیمان ندوی جب وفدِ خلافت کے ساتھ لندن گئے تو دارا صاحب نے اپنا مسودہ سید سلیمان ندوی کو دکھایا۔ جسے انہوں نے بہت پسند کیا اور کتاب کے لیے دیباچہ لکھ کر دیا۔ اس کے بعد دارا صاحب نے مسودہ ہندوستان روانہ کیا اور اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں نظام المشائخ دہلی سے ''محمدﷺ کی سرکار'' کے نام سے چھپی، اسی عنوان کے تحت حسن نظامی دہلوی نے ۱۹۲۷ء میں اسے چوتھی بار شائع کیا، صدیق بک ڈپو لکھنؤ (س۔ن) اور مسلم پرنٹنگ پریس اعظم گڑھ نے ''رسول عربیﷺ '' کے عنوان سے شائع کیا جبکہ مجلس اردو ماڈل ٹاؤن لاہور نے ۱۹۴۱ء اور ۱۹۵۷ء میں اس کتاب کو رسول عربی (پیغمبر اسلام کی سوانح عمری) کے نام سے شائع کیا۔ مکتبہ تعمیر انسانیت سے ''محمدﷺ کی سرکار'' کے عنوان سے ۱۹۸۶ء میں چھپی سیرت اکیڈمی لاہور نے ۱۹۸۹ء میں ''رسول عربیﷺ'' کے عنوان کے تحت شائع کیا۔ بعد میں مختلف اداروں نے اس کے متعدد ایڈیشن شائع کیے۔

اس کتاب کے مختلف ایڈیشن دیکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کے دو عنوانات ''محمدﷺ کی سرکار'' اور ''رسول عربیﷺ '' کیوں ہیں۔ نہ تو مصنف نے اس چیز کا تذکرہ کیا ہے اور نہ ہی کسی پبلشر کی طرف سے وضاحت کی گئی ہے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ پہلے یہ کتاب ''محمدﷺ کی سرکار'' کے نام سے چھپی ہو لیکن بعد میں کسی پبلشر نے طباعتی حقوق کے مسائل کے تحت اسے ''رسول عربیﷺ'' کے نام سے شائع کیا ہو۔ علاوہ ازیں اس کتاب کا آغاز بھی ''بحضور رسول عربیﷺ'' کے عنوان سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مارچ ۱۹۲۷ء میں حسن نظامی دہلوی کی طرف سے اس کتاب کی طبع چہارم کے سرورق پہ درج ذیل تحریر لکھی ہے۔

''محمد کی سرکار میں ایک سکھ کی قلمی عقیدت کی نذر یعنی جناب سردار گوردت سنگھ صاحب دارا بیرسٹر وایڈیٹر اخبار ہند (لندن) کی لکھی ہوئی سیرۃ رسول عربی جس کو حسن نظامی دہلوی نے چوتھی بار مارچ ۱۹۲۷ء میں شائع کیا۔۵ اس کتاب کا اصل عنوان محمدﷺ کی سرکار ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ تحریر میں الفاظ سیرۃ رسول عربی سے کسی نے لفظ سیرۃ حذف کر کے رسول عربی کے نام سے اس کتاب کو شائع کر دیا ہو۔

پروفیسر جی۔ایس دارا کی یہ کتاب جب منظر عام پر آئی تو ان کے دوست احباب کی طرف سے دو طرح کا ردِ عمل سامنے آیا۔ ایک طرف تو وہ لوگ تھے جنہوں نے مصنف کی تحریر کو سراہا اور نیک رائے کا اظہار کیا جبکہ دوسری طرف ایسے لوگ تھے جنہوں نے اس کتاب کو مسلم دوستوں کا اثر اقرار دیا اور بعض نے تو مصنف کی نیت پر شک کرتے ہوئے اسے ''ضرورت زروزن'' کے تحت لکھی گئی تحریر قرار دیا۶ لیکن مصنف کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی اور مصنف نے ۱۹۴۱ء میں اس کتاب کو اسی انداز میں دوبارہ چھپوایا۔ ۱۹۴۱ء کے ایڈیشن میں ''تمہید'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''باوصف ان حملوں کے جو میری نیت پر کیے گئے۔ میں اپنے خیال میں کچھ تبدیلی نہیں دیکھتا۔ خیال وہی ہے جس کا اظہار میں نے بیس سال ہوئے مسودہ میں کیا تھا اب بھی وہی ہے اور اسی پر قائم ہوں۔''(۷)

مجلس اردو ماڈل ٹاؤن لاہور نے ۱۹۴۱ء میں جو ایڈیشن شائع کیا، جو کہ اس وقت مقالہ نگار کے زیر مطالعہ ہے، اس کے مطابق یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصہ کئی ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب کی مجموعی تعداد ۲۵ ہے اور صفحات کی تعداد ۱۹۰ ہے ''رسول عربی ﷺ'' مطبوعہ اعظم گڑھ (س۔ن) اور حسن نظامی دہلوی (۱۹۲۷ء) کے ایڈیشن کے مطابق یہ کتاب تین ابواب اور ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۴۱ء کے مجلس اردو ماڈل ٹاؤن کی طرف سے شائع کردہ ایڈیشن کا پچھلے ایڈیشنز، مطبوعہ اعظم گڑھ اور حسن نظامی دہلوی (۱۹۲۷ء) سے موازنہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۱۹۴۱ء کے ایڈیشن میں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا ہے مختلف جگہوں سے مختلف جملے حذف کر دیئے گئے ہیں جبکہ بعض مقامات پہ مضامین کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں مصنف کا اپنا اعتراف بھی ''تمہید'' کے عنوان کے تحت مذکور ہے کہ انہوں نے نظر ثانی کر کے اس کتاب کو جدید اشاعت کے لیے پیش کیا ہے۔۸ اس ایڈیشن میں ہر حصہ مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کے چار حصے مندرجہ ذیل تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

حصہ اول عربوں کی معاشرتی اور سیاسی حالت، آنحضرت ﷺ کے والدین' آپ ﷺ کی پیدائش اور عبدالمطلب کا خوشی منانا' رضاعت' جوانی' حضرت خدیجہؓ کی ملازمت اور ان سے شادی' واقعات قبل از رسالت' حضرت زیدؓ کی آزادی اور شادی کا تذکرہ، حجر اسود کی تنصیب' معرفت اور گیان کی لو وغیرہ پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم میں اعلانِ نبوت' مشرکین کی طرف سے اذیتیں اور تکالیف' ابوطالب سے شکایت' آپؐ کے قتل کا منصوبہ، عہد نامہ عدمِ تعلق، ہجرت حبشہ' مسلمانوں کا نجاشی کے دربار میں حاضر ہونا اور حضرت جعفرؓ کی معجز بیانی' مشرکین مکہ کی چالبازیاں' سفر طائف اور واپسی پر مطعم کی پناہ میں آنا' حضرات عمر و حمزہؓ اور طفیلؓ کا قبولِ اسلام' حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کا وصال' ہجرت مدینہ' ہجرت مدینہ کے واقعات' مدینہ میں آمد اور آغازِ اذان تک کے واقعات درج ہیں۔ حصہ سوم میں

آپ ﷺ کا سردار مدینہ منتخب ہونا' جنگ بدر' جنگ سویق' جنگ خندق اور جنگ خیبر کا بیان ہے۔حصہ چہارم میں عہد نامہ حدیبیہ اور اس کی شرائط' عمرۃ القضا' مکہ پر دھاوا' ابوسفیان کا مسلمان ہونا اور اس کے گھر کو جائے امن قرار دینا' فتح مکہ اور عام معافی کا اعلان' جنگ ہوازن' جنگ موتہ' رسالت وسفارت (مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط وغیرہ)' الوداعی حج اور آپ ﷺ کے وصال کا ذکر ہے۔

اس کتاب میں اگرچہ تاریخی واقعات کا بیان ہے لیکن مصنف نے ان تاریخی واقعات کو ایسے دلکش اور دل آویز انداز میں تحریر کیا ہے کہ یہ تاریخی سے زیادہ ادبی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ڈاکٹر انور محمود خالد کتاب کی اس خوبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''رسول عربی کی اہمیت اس کے سوانحی مواد سے زیادہ اس کے شاعرانہ اسلوب بیان میں مضمر ہے اس کی عبارت میں عربی اور فارسی کے پہلو بہ پہلو ہندی الفاظ عجب بہار رکھاتے ہیں۔کہیں کہیں عبارت شعوری یا غیر شعوری طور پر مقفی ہوگئی ہے۔مصنف نے عربی، فارسی اور اردو کی نعتیں زور بیان بڑھانے کے لیے استعمال کی ہیں۔'' (۹)

ممتاز لیاقت نے مصنف کی اس خوبی کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سراہا ہے۔

> رسول عربی کی اصل اہمیت اس کے سوانحی مواد سے زیادہ اس کے شاعرانہ اسلوب بیان کے باعث ہے عبادت میں عربی اور فارسی کے پہلو بہ پہلو ہندی الفاظ عجب بہار دکھاتے ہیں کئی مقامات پہ عبارت مقفی ہے اور مصنف نے موقع ومحل کے مطابق مختلف واقعات کی توضیح اور زور بیان کے لیے قرآنی آیات، یوحنا کے اقتباسات، مسدس حالی، عربی، فارسی اور اردو نعتوں کا استعمال کیا ہے، مختصر یہ کہ اسلوب بیان کے لحاظ سے ''رسول عربی'' ایک سکھ کے مخلصانہ جذبات کی ایک دلچسپ اور دوامی یادگار ہے۔ (۱۰)

کتاب کے جن پہلوؤں سے ادبیت ۱۱ کا اظہار ہوتا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

شاعری ایک ایسی ادبی صنف ہے جس کے تحت شاعر ایک یا چند اشعار میں اپنا مافی الضمیر اور مدعا بیان کر دیتا ہے کہ جس کے بیان کے لیے نثر میں بعض اوقات سینکڑوں صفحات بھی کم پڑ جاتے ہیں۔صاحب رسول عربی ﷺ جی ایس دارا نے وقائع سیرت کے بیان کے ضمن میں موقع کی مناسبت سے عربی، فارسی اور اردو کے اشعار سے استدلال کیا ہے اور اپنی تحریر میں زور پیدا کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔رسول عربی ﷺ کا مطالعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ صاحب کتاب کو شاعری سے خاصا لگاؤ تھا اور مزید یہ کہ مصنف کی نظر صرف اردو شاعری تک محدود نہیں تھی بلکہ عربی کے نعتیہ قصائد، اردو نعتوں کے اشعار سے استدلال اور فارسی شعر وادب کے حوالہ جات ان کے وسعت مطالعہ اور پاکیزہ ذوق کے آئینہ دار ہیں۔شاعری سے استدلال کا آغاز مقدمہ کتاب سے ہی ہو جاتا ہے۔مثلاً برصغیر کے معروضی حالات کے تناظر میں مذہبی، لسانی اور فرقہ ورانہ اختلافات وفسادات کا تذکرہ کرتے

ہوئے جی ایس دارا اسے بعض ''قومی راہ نمایاں'' کے اشارہ یا عندیہ کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔اور یہاں محض ایک شعر کا سہارا لے کر پوری صورت حال واضح کر دیتے ہیں۔لکھتے ہیں۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے (۱۲)

پیغمبر اسلام ﷺ کے حوالے سے دارا صاحب کی کتاب کو بعض لوگوں نے ''ضرورت زروزن'' کے تحت لکھی گئی تحریر قرار دیا۔دارا صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور آخر میں غالب کے ایک شعر پہ بات ختم کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ یہاں نہ زر ہے نہ زن، نہ گھر ہے نہ گھاٹ۔نفع منافع تو درکنار رہا۔گھر کی بھٹیارن سے کمرہ کے کرایہ کا اگر ہر ہفتہ تقاضا نہ ہوتو دوسرے تیسرے ہفتہ تو ضرور ہی ہو جایا کرتا ہے۔بنیے سے آٹا دال گھی کے ادھار کے لئے آئے دن ایک ہنگامہ برپا رہتا ہے۔خیر

تنگدستی اگر نہ ہو غالب
تندرستی ہزار نعمت ہے (۱۳)

قبل از اسلام و بعثت عربوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچنا سیرت نگاری کے بنیادی لوازم میں سے شمار کیا جاتا ہے اور بعض کتب سیرت میں تو اس مقصد کے لیے بیسیوں صفحات مختص کیے گئے ہیں۔دارا صاحب نے بھی اس روایت کی پیروی کرتے ہوئے عربوں کے زمانہ قبل از اسلام کے حالات بیان کیے ہیں لیکن تفصیلات میں جانے کی بجائے چند اشعار کے ذریعے ان کی اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی حالت کو بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور اس حوالے سے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں۔

چلن انکے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا انکا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے (۱۴)

آپ ﷺ کی پیدائش کے تذکرہ میں سیرت نگاروں کے ہاں بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں قبل از ولادت نبوی رونما ہونے والے معجزات اور خوارق عادات واقعات کا بیان ہے اور ارض و سماء میں ہونے والی

تبدیلیوں کا تذکرہ ہے ۔صاحب رسول عربی ﷺ نے ایسی تمام روایات اور ان کی تفصیلات دینے کی بجائے چند اشعار میں ان تمام روایات کا نچوڑ بیان کر دیا ہے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

بطحا کا باشی من موہن جب فرش پہ آیو آنن میں
تب کا سے کہوں میں اے ری سکھی جو دھوم تھی کون و مکانن میں
سب حور و ملائک جن و بشر ساتوں ہی فلک اور سارے نبی
تھی صل علیٰ کی دھوم مچی آتی تھی صدا یہی کانن میں (۱۵)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبول اسلام سے قبل آنحضرت ﷺ کے منصوبہ قتل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلے تو مصنف نے یہاں فارسی کے ایک شعر سے خوبصورت سماں باندھا ہے لکھتے ہیں:

بجرم عشق تو مارا کشند و غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست (۱۶)

ہجرت مدینہ کے حوالے سے مصنف کا انداز دیکھیے:

مکان یار دور و من ندارم طاقتے در دل
عجب در مشکل افتادم چساں طے سازم ایں منزل
کیا کہوں کس سے کہوں دیس پیا کا دور
اڑ نہ سکوں گر گر پڑوں رہوں ٹھور کی ٹھور (۱۷)

صلح حدیبیہ کے تذکرہ میں بنوبکر (قریش کے اتحادی) کا بنوخزاعہ (مسلمانوں کے اتحادی) پر حملہ اور قریش کی طرف سے بنوبکر کو اس لڑائی میں ہر طرح کی امداد دینے کے ضمن میں موصوف نے قریش کی وعدہ خلافی اور آئین شکنی کی دہائی درج ذیل شعر کے ذریعے دی ہے:

شرع و آئین پر مدار نہیں
ایسے کافر کا کیا کرے کوئی (۱۸)

فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو امان بخشی تو دارا صاحب کا قلم یہاں بھی امان کے حوالے سے معروف شعر لکھنے سے نہ رہ سکا۔ لکھتے ہیں:

نہ کہیں جہاں میں امان ملی جو ملی تو پھر وہ کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں (۱۹)

جنگ موتہ میں مسلمانوں کی قلیل تعداد (تین ہزار) کو عیسائیوں کی کثیر تعداد (ایک لاکھ) کا سامنا تھا لیکن جذبہ ایمان اور شوق شہادت مسلمانوں کی فتح کا باعث بنا۔ گوردت سنگھ دارا نے یہاں ایک شعر کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قلت سپاہ یا کثرت سپاہ فتح کے لیے ضروری نہیں بلکہ اصل چیز اخلاص، ہمت، ایمانی

جوش وجذبہ اور تمام صلاحیتوں کا استعمال ہے۔ لکھتے ہیں:

شکست وفتح نصیبوں سے ہے ولے اے میؔر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا (۲۰)

اوراسی طرح ''الوداعی حج'' کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغ حرم بتا
کہ تیرے پتنگ کو پھر عطا، ہو وہی سرشت سمندری
کرم اے شہ عرب وعجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری (۲۱)

حج کی بحث کا اختتام علامہ اقبال کے درج ذیل شعر سے کرتے ہیں

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے (۲۲)

اسی طرح کی دیگر مثالیں بھی کتاب میں موجود ہیں لیکن مقالہ کے دامن میں اس قدر وسعت نہیں کہ ان سب کا احاطہ کیا جا سکے۔

ضرب الامثال، کہاوتیں اور محاورات اپنے اندر بہت سے تاریخی حقائق اور عملی تجربات کا احاطہ کرتے ہیں''کہاوتوں کا مطالعہ بھی مطلق طور پر لسانی نہیں بلکہ ثقافتی مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ان سے معاشرے کے مزاج، رہن سہن، عادات، رسومات، اخلاقیات، اقدار وعقائد، ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ان میں تاریخی واقعات، شخصیات، حکایات، تصورات اور امنگوں کی طرف بھی حوالے ہوتے ہیں۔......ضرب الامثال عموماً عوامی سطح پر پیدا ہوتی ہیں۔ان میں عوامی فطانت سمائی ہوتی ہے اور عوامی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔''۲۳ ان کا برمحل استعمال نہ صرف تحریر میں زور پیدا کرتا ہے بلکہ قاری کے ذہن پہ بہت عمدہ ودیرپا اثرات مرتب کرتا ہے۔اردو سیرت نگاری میں محاورات اور ضرب الامثال سے استدلال یا ان کا استعمال بہت کم سیرت نگاروں کے ہاں نظر آتا ہے لیکن داراصاحب نے وقائع سیرت کے تذکرہ میں ضرب الامثال اور محاورات کے استعمال کے ذریعہ اپنی تحریر میں ایک عجیب چاشنی پیدا کردی ہے جس سے تاریخی حقائق کو مختلف انداز میں پرکھنے کا موقع ملتا ہے۔موصوف نے واقعات سیرت کے پہلو بہ پہلو فارسی واردو کے محاورات اور ضرب الامثال کو بطور استدلال پیش کیا ہے جس سے پڑھنے والوں کی ادبی حسن کی تسکین ہوتی ہے۔اور قاری تاریخی حقائق اور سیرت کی تفصیلات سے آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ زبان وادب سے بھی لطف اٹھاتا ہے۔

جن اردو محاورات اور ضرب الامثال کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ۔۲۴ ۲۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔۲۵

۳۔ جان بچی لاکھوں پائے۔۲۶ ۴۔ گھر کا پیر ہلکا۔۲۷

۵۔ کجا رام رام کجا ٹیں ٹیں۔۲۸

موقع محل کی مناسبت سے محاورات اور ضرب الامثال کا استعمال تحریر میں کیسی خوبصورتی پیدا کرتا ہے اس کی کچھ امثلہ دیکھیے:

(i) صاحب کتاب گوردت سنگھ دارا حضورﷺ کی سیرت کے ''واقعات قبل از رسالت'' کے تذکرہ کا آغاز ہی ایک محاورہ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' سے کرتے ہیں۔۲۹ اور بعد از بعثت آپﷺ کو ملنے والی کامیابی اور عظمت کو دلیل فراہم کرتے ہیں

(ii) آپﷺ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے موقع پر قریش نے چہار اطراف اپنے بندے دوڑائے اور آپﷺ کی گرفتاری پر انعام مقرر کیا۔ جی ایس دارا یہاں ایک محاورہ کا استعمال کس اچھے انداز سے کرتے ہیں ملاحظہ کیجیے:

> دشمنوں نے بڑے بڑے انعام واکرام رکھے کہ جو بدکردار اس نیکوکار کی گردن کاٹ کر لائے گا، اسے بہت کچھ مال ومتاع دیا جائے گا مگر کہاں رسول خداﷺ کہاں بندہ کہتر۔ کجا رام رام کجا ٹیں ٹیں۔(۳۰)

(iii) غزوہ خندق میں قریش نے کئی روز تک مسلمانوں کا محاصرہ کیے رکھا لیکن بالآخر ایک رات زبردست آندھی اور زوردار بارش کی وجہ سے ان کے خیمے اکھڑ گئے،انہوں نے محاصرہ ختم کیا اور چلتے بنے۔دارا صاحب اس چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک خوبصورت محاورہ کے ذریعہ اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں لکھتے ہیں:

> رات کو زبردست آندھی چلی، اور ساتھ ہی بارش بھی گھٹا باندھ کے آ پہنچی، ایسا موسلا دھار مینہ برسا کہ ڈیرے خیمے غنیم کے سب اکھڑ گئے، اور سب سلسلہ درہم برہم ہوگیا، بدانتظامی تو آگے ہی وہاں موجود تھی، بدنسقی اور بدتر ہوگئی اور دشمن کو بھاگتے بنی، سردار لشکر ابوسفیان بھاگتوں کا بھی سردار ہی رہا، جو بھاگتے دکھائی دیئے، ان سب میں اوّل وہ تھا، مسلمان خوشی خوشی گھر لوٹ آئے، اگرچہ مال ومتاع ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا، مگر جان بچی لاکھوں پائے۔(۳۱)

(iv) فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام عرب مسلمان ہوگیا دارا صاحب کے نزدیک اسلام کو سب سے زیادہ رکاوٹ کا سامنا مکہ میں کرنا پڑا۔ لکھتے ہیں۔

> ۱۰ ہجری تک قریباً کل عربستان مسلمان ہوگیا۔اسلام نے زیادہ تر روک مکہ میں ہی دیکھی تھی یا کچھ رکاوٹ پھر بھی یہاں ''گھر کا پیر ہلکا'' والی بات بھی عائد تھی۔(۳۲)

اردو محاورات وضرب الامثال کے علاوہ فارسی ضرب الامثال اور محاورات بھی کتاب میں دکھائی دیتے

ہیں جن میں سے چند ایک درجہ ذیل ہیں:

۱۔نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔۳۳	۲۔نوبت بانیجار سید۔۳۴
۳۔ہم چو ما دیگرے نیست ۔۳۵	۴۔جائے استاد خالی است ۔۳۶
۵۔صد لعنت و پھٹکار بریں ذہن رسارا۔۳۷	۶۔فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔۳۸
۷۔بریں عقل و دانش ببابد گریست۔۳۹	۸۔قہر درویش، برجان درویش،۴۰
۹۔اے آمدنت باعث آبادیٔ ما۔۴۱	۱۰۔بارہا نالید و گفت اے قوم ما بیدار شو۔۴۲

(i) مسلمانوں نے فتح مکہ کے موقع پہ جب مکہ پر چڑھائی کی تو مشرکین کی بے بسی اور گھبراہٹ قابل دید تھی کیونکہ ہزاروں کا لشکر ان کے سامنے موجود تھا۔سردار قریش ابوسفیان کی حالت بھی قابل رحم تھی صاحب رسول عربیﷺ لکھتے ہیں۔

> سردار ابوسفیان کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے، بھلا اب وہ کرے بھی تو کیا اور جائے بھی تو کہاں جائے:نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔(۴۳)

(iii) اسی طرح اسی موقع پہ باشندگان مکہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ہر بشر خائف تھا کہ آج میری خیر نہیں، جو جو جس نے کیا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا،از ماست کہ بر ماست،کردنی خویش آمدنی پیش۔(۴۴)

(ii) موصوف رسول اللہﷺ کی ھجو کہنے والے شخص کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کو''صد لعنت و پھٹکار بریں ذہن رسارا'' جیسے الفاظ سے نوازتے ہیں۔(۴۵)

تاریخ اور ادب کا تعلق بہت گہرا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔تاریخی حقائق و واقعات کو ادیبانہ انداز میں صفحۂ قرطاس پہ منتقل کرنا جوئے شیر لانے سے کسی طور کم نہیں۔اس امر کے لیے اگر ایک طرف تاریخ سے گہری واقفیت درکار ہے تو دوسری جانب زبان و بیان پہ قدرت، ادبی اصناف سے لگاؤ و واقفیت،موثر اسلوب بیان اور دل کش و دل آویز طرز نگارش بھی ضروری ہے۔اگر ہم مذکورہ بالا صفات کے تناظر میں گوردت سنگھ دارا کی رسول عربی کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں ہمیں ان صفات کا عکس نظر آتا ہے۔بطور مثال چند اقتباسات کتاب سے نقل کیے جاتے ہیں جن سے جی ایس دارا کے ادبی ذوق اور ادبی اسلوب نگارش کی نشاندہی ہوتی ہے۔

''پھر سچ بولنا کس روئے زمین پر؟ عرب کے اندھیرے میں۔جہاں نہ عقل کی روشنی نہ تمیز کا اجالا۔جسے دیکھو اندر باہر سے کالا جہاں لوگ ہر برے فن میں ماہر ہوں اور ہر سیاہ ہنر میں طاق، وہاں راستی برتنا اپنا ہی منہ کالا کرنا ہے،ایسے بدکرداروں میں نیکوکار ہو کر رہنا یہ کس کا کام ہے! پھر سچ بولنا کس عمر میں، جب سن ہو چوبیس پچیس، عین جوانی اور آندھی مستانی،اس وقت جوانی کی امنگیں اور شباب کے ولولے اپنی دھن میں بشر کو ایسا اندھا اور بے

لگام بنا دیتے ہیں کہ وہ دائیں بائیں نگاہ تک نہیں کرتا کہ کہاں ہے راہ راست اور کدھر ہے کجروی۔اسے خبط ہوتا ہے تو بس اک اپنے خیال سے کہ جس طرح بھی ہو، یہ خبط پورا ہو، جھوٹ موٹ جو بھی بن آئے بناؤ۔مگر اپنا جنون نبھاؤ، جوانی ایک بری بلا ہے۔جوانی کے ندی نالہ جب طغیانی پر آ جائیں تو بڑے بڑے گنی پنڈتوں اور دھرم وان کبیشروں کو ان کے سبھی گیان گوشٹ سمیت آگے بہا لیجائیں۔جوانی کے اس عالم میں صادق القول کہلانا بشر کے مقدور سے باہر ہے اور انسان کی طاقت سے بعید مگر یہاں حقیقت ہی کچھ اور ہے۔(۴۶)

کتاب کی ابتداء ایک پیراگراف بعنوان ''بحضور رسول عربیؐ '' سے ہوتی ہے۔یہ پیراگراف ایک طرف اردو ادب کا شاہکار ہے اور دوسری طرف عشق و محبت اور عاجزی وانکساری کا مرقع ہے۴۷ ملاحظہ فرمائیے۔

''ایک صاحب کمال آیا جس نے جلوہ حق دکھایا جس کسی نے اسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا۔اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی جس کی نگاہِ شوق اس پر پڑی اسے منہ مانگی مراد مل گئی جس بشر کو اس من موہن نے اپنا درشن دیا،اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا۔

آناں کہ خاک رابہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اے عرب! کیا ہی عجب ہونگے تیرے بھاگ۔جو تو نے نورِ خدا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔کیا ہی اچھے ہونگے تیرے بخت جو تو نے حبیبؐ خدا کے اپنی آنکھوں درشن کیے......

اے سرزمین عرب! آج وہ دن ہے کہ تیرا نام وردِ زبان جہاں ہے اور خلق خدا تیرا ذکر خیر کرتی ہے کون آنکھ ہے جو تیرے درشن کو نہیں ترستی، وہ کون دل ہے جو تیری دید کی تمنا نہیں رکھتا، وہ کون ملک ہے جس نے تیرے شاہ کا سکہ نہیں مانا اور وہ کون فرمانروا ہے جس نے تیری حشمت اور دبدبہ کو نہیں جانا۔اے خطۂ عرب! تو نے اب پرانا جامہ اتارا، تو نے نیا اوتار دھارا۔اے عرب! تو نے نیا جنم پایا کیونکہ تجھے رسول خداؐ ہاتھ آیا۔اے عرب! رب کے رنگ نیارے ہیں، داتا جسے چاہے دیدے ورنہ تیرے ہاتھ آئے یہ دولت محمدیؐ تجھے نصیب یہ جمالِ احمدیؐ۔

اے ہمالیہ کی بلند چوٹیو! تم ہی کچھ کہو۔سینکڑوں رشیوں نے تمہاری شفقت اور پیار کی گود میں نواس کیے صدہا جوگیوں نے تمہارے پہلوئے محبت میں جوگ کمائے، ہزاروں تپشیروں نے تمہاری آغوش الفت میں تپ دھارے، لاکھوں گوروؤں، سدھوں نے تمہارے ہاں چرن کنول ڈالے۔

اے کوہِ ہمالیہ! مگر سچ کہنا کہیں دیکھا ہے تو نے وہ مکہ کا راج دلارا، کہیں نظر پڑا ہے تجھے بھی وہ مدینہ کا پیارا۔

اے رود بارِ گنگا تیرے پوتر جل نے پجاریوں کو رام نام جپایا۔تیری سیتل لہروں نے مسافرانِ عدم کو تھپک تھپک کر ابد کی نیند سلایا۔تیرے پاک پانی نے پریم کے جوت کا دیا ہر پریمی کے من میں جلایا۔تیرے میٹھے گھونٹوں نے معرفت کے تشنہ لبوں کو آبِ کوثر کا مزہ چکھایا۔

اے موجِ گنگا! جس کسی کی آنکھیں تجھ سے دوچار ہوئیں تو نے اسے گنگ منتر پڑھا کے چھوڑا جو تشنہ لب تیری نظر پڑا تو نے اسے گنگا جل پلا کے چھوڑا۔

اے آبِ گنگا! آخر یہ تو کہہ کہیں اس آبِ زمزم والے سے بھی تیری آنکھ لڑی' کہیں اس مکی مدنی نے بھی تجھ سے کوئی گنگا جلی بھری۔

اے تاجدارِ عرب! سنتے ہیں تیری چھب عجب موہنی تھی اور تیرا روپ انوپ تھا۔اے دلدارِ عرب! کہتے ہیں کہ تیری پریت کی جوت جس من میں جگی وہ بجھائے نہ بجھی جس آنکھ پر تیری نگاہ پڑی وہ پھر تیری ہی ہو رہی''۔(۴۸)

حضرت عبداللہ کی وفات پر حضرت عبدالمطلب کے رنج اور بے قراری اور پھر آپ ﷺ کی اس جہان میں مبارک آمد کے مضمون کو مصنف نے بہت ہی مختلف اور اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے اور تسلی و خوشخبری کے مضامین کو جس عمدگی اور اختصار کے ساتھ جمع کیا گیا ہے وہ جی ایس دارا کا ہی خاصہ ہے۔ لکھتے ہیں:

''ادھر بے کسی اور بے بسی کا یہ عالم تھا۔ادھر فرشتۂ غیب ندا دے رہا تھا کہ اے ہمت کے ہیٹے! اور حوصلے کے پست،اس وسعت خیال کے میدان میں تو اس تنگ خیالی سے کام نہ لے،اور عقل کی بھاگ ہاتھ سے نہ دے۔جس نصیب سے تو بہرہ ور ہے،اس کی تجھے کیا خبر،بھگوان نے جو بھاگ تیرے لیے لکھے ہیں ان کا تجھے کیا علم؟ کہاں ہے تیرا دھیان،اور تو ہے کس سوچ میں،ذرا ہوش کی لے اور عقل کی آنکھ کھول' جس پریتم کو مکہ کے پریم نگر میں اپنی چھب دکھلانی ہے وہ ابھی تیری آغوشِ الفت میں آ کر نہیں بیٹھا' جس شمع کو اپنی اچنبہ روشنی سے عرب کا اندھیرا اجالا کر دینا ہے وہ ابھی روشن نہیں ہوئی جس چندرما کو بھارت میں چودھویں کا چاند بن کر چمکنا ہے وہ ابھی نہیں نکلا' جس مہرِ انور کو اپنے نور سے عالم کو بقعۂ نور بنا دینا ہے وہ ابھی نمودار نہیں ہوا' جس مؤذن کی آواز کو عرب کے کھنڈروں سے نکل کر ہمالیہ کی چوٹیوں پر جا گونجنا ہے وہ ابھی منبر پر نہیں چڑھا' جس نامور کو تیرا نام نامی شہر بہ شہر رشک عالم بنانا ہے وہ شہرۂ آفاق ابھی تیرے ہاں پیدا نہیں ہوا......آخر وہ نیک ساعت آئی' جس کا اشارہ ہو چکا تھا۔لگا وہ شبہ لگن جس کی منتظر ایک خلق خدا تھی۔ چڑھا وہ سورج بھگوان جس کی سنہری کرنوں سے مشرق میں جگمگ ہونے لگی۔ نکلا وہ چودھویں کا چاند جس کی چاندنی سے مغرب کی تاریکی شعاع نور بن گئی۔ خدا کا نور ایک خاکی پیراہن زیب تن کئے بزم عالم میں جلوہ گر ہوا'' (۴۹)

آپؐ نے مکہ فتح کیا اور عام معافی کا اعلان فرمایا تو اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سبحان اللہ! کیا ٹھکانا دریائے رحمت کی اس طغیانی کا تھا۔یہ دریا امڈا اور ہر غلاظت وعفونت گناہ کی بہا لے گیا۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں کو اپنی نورِ چشم کے قاتلوں کو

اپنے چچا کے کلیجہ کھانے والوں کو بھی کو معافی دیدی اور قطعی معافی۔قتل عام دنیا کی تواریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی اور جو عقل سے پوچھو تو وہ اب بھی نہ مانے کہ ایک بندہ خدا بندگانِ خدا پر اتنا رحم و فضل کرسکتا ہے کہ قاتلوں کو معافی عام دیدے مگر اس بچاری بھولی بھٹکی عقل کو اس ایک کی کیا خبر وہ ''ایک'' رسول خداﷺ وہ ''ایک'' رحمت کا دریا' نہ اسے کینہ سے کام نہ انتقام سے غرض، وہ رحم کا چشمہ وہ محبت کا منبع' وہ بندۂ کبریا' وہ حبیب خداﷺ۔''(۵۰)

پروفیسر گوردت سنگھ دارا نے آنحضرتﷺ کے حالاتِ زندگی جس محبت' عقیدت اور انصاف پسندی سے لکھے ہیں وہ نہ صرف غیر مسلموں کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی اس میں بہت سے مفید اسباق موجود ہیں۔علاوہ ازیں ادبی ذوق رکھنے والے قارئین کی ادبی حس کی تسکین کا سامان بھی ان کی تحریر میں پوری طرح پایا جاتا ہے گویا تاریخیت کو ادبیت کے لبادہ میں پیش کرنے کی ایک عمدہ کاوش ہے۔

اس کتاب پر مختلف لوگوں کے تبصرے اور آرا شائع ہوئیں۔سید سلیمان ندوی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دارا صاحب نے پیغمبر اسلام کی سوانح عمری بڑی بے نفسی اور بے تعصبی کے رنگ میں لکھی ہے کتاب کے حرف حرف سے عشق و محبت کے آبِ کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا قلم کس جوش و خروش کے دریا میں بہتا جا رہا ہے...... یہ ناممکن تھا کہ کوئی نامسلم اس سے زیادہ خلوص و عقیدت کی نذر دربارِ رسالت میں پیش کرسکتا اور یہی اس کتاب کی بہترین خصوصیت ہے۔''(۵۱)

مولانا عبدالماجد دریابادی ''ریویو اخبار'' ہمدرد دہلی میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

......مسٹر جی۔ایس دارا......انکا نام اب تک لنڈن کے ایک انگریزی رسالہ ہند (انڈیا) کے ایڈیٹر کی حیثیت سے معروف تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ ان کا کعبہ کعبۂ لنڈن نہیں کعبۂ حجاز ہے۔ان کی آنکھیں برقی جگمگاہٹ سے نہیں روح کی نورانیت سے منور ہورہی ہیں۔رسول عربیؐ اس مختصر و جامع رسالہ کا نام ہے جو دارا صاحب کے تخم محبت کا ثمر اولین ہے۔اس میں سرور عالم صلعم کے حالاتِ حیاتِ مبارک شروع سے آخر تک اس انداز سے جمع کردیئے گئے ہیں کہ اکثر مقامات پر ایک مسلمان کو بھی اس خلوصِ نیاز پر رشک آنے لگتا ہے۔''(۵۲)

حفیظ جالندھری ''پیش لفظ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائیگا۔ذوق وشوق سے پڑھا جائیگا۔اس سکھ بزرگوار کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھا جائیگا جس نے ہمارے آقا و مولاؐ سے اس طرح اظہارِ محبت کیا جیسا کہ ایک مسلمان کو کرنا چاہیے۔''(۵۳)

گوردت سنگھ دارا کی کتاب محمدﷺ کی سرکار/ رسول عربیﷺ میں بیان کردہ مضامین و مباحث سیرت

وہی ہیں جو کہ اردو کتب سیرت کا مشترکہ ورثہ ہیں۔ کتاب نہ تو ضخامت کے اعتبار سے اور نہ ہی وقائع سیرت کی تفصیلات کے اعتبار سے دیگر کتب سے ممتاز اور الگ ہے۔ سیرت مبارکہ کا کوئی گوشہ یا پہلو بھی ایسا نہیں جو اس سے قبل مسلم یا پھر ہندو رسکھ سیرت نگاروں کے ہاں نہ ملتا ہو البتہ جو بات اس کتاب کو بہت سی کتب سیرت سے جداگانہ اور منفرد حیثیت عطا کرتی ہے اور اسے ایک خاص صنف کی کتب سیرت میں لا کھڑا کرتی ہے وہ اس کا وقائع سیرت کو ادبیت کے لبادہ میں پیش کرنے کا اسلوب ہے۔ الفاظ وکلمات کا انتخاب، محاورات وضرب الامثال کی برمحل موجودگی، تلمیحات وکنایات، استعارات ومجازات اور اردو، فارسی اور عربی شاعری سے استدلال ایسی خصوصیات ہیں جو تاریخیت کو ادبیت کا جامہ پہنا کر قاری کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ اگر چہ سیرت مبارکہ کی تاریخیت کی اپنی ایک جداگانہ کشش ہے جس کے سحر سے باہر نکلنا کسی بھی قاری (مسلم وغیر مسلم) کے لیے ممکن نہیں لیکن اگر اس تاریخیت کے ساتھ ادبیت کی گرہ بھی لگ جائے تو سونے پہ سہاگہ والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ جو پہلو کتاب کے ادبی رنگ کو متاثر کرتا دکھائی دیتا ہے وہ ہندی الفاظ کا کثرت سے استعمال ہے۔ بعض مقامات پر ہندی الفاظ کی بھرمار خالص اردو پڑھنے والوں کے ذوق پہ گراں گزرتی ہے لیکن کتاب کے اس پہلو کے حوالے سے مصنف کے عہد کی مخلوط معاشرت اور مصنف کی ایک مخصوص انسانی ولسانی قبیلہ سے وابستگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا علاوہ ازیں بعض معروف شعرا کے اشعار نقل کرتے ہوئے بھی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا اور شعر میں (غلطی یا کم علمی سے) الفاظ کی تبدیلی یا تقدیم وتاخیر سے شعر کا وزن بگڑ گیا ہے اور پڑھنے والے کے ذوق پہ گراں گذرتا ہے لیکن اس کے باوجود کتاب کی ادبی حیثیت سے انکار ممکن نہیں اور یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ہندوؤں رسکھوں کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ پر لکھے گئے سیرتی ادب میں لکشمن پرشاد کی ''عرب کا چاند''[۵۴] اگر ادبی اعتبار سے بلند مقام کی حامل ہے تو جی ایس دارا کی رسول عربی بھی کسی طور کم نہیں۔ بلکہ اگر دونوں کتب میں ادبی اصناف تلاش کی جائیں تو رسول عربی ﷺ/محمد ﷺ کی سرکار کو اس حوالے سے برتری وفوقیت حاصل رہے گی۔ البتہ ادبی اسلوب کی جھلک کتاب کی ابتدائی مباحث میں غالب ہے جبکہ آخری مباحث میں یہ خصوصیت واسلوب کمزور پڑتا دکھائی دیتا ہے۔

خلاصۂ بحث کو مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ محمد ﷺ کی سرکار/ رسول عربی ﷺ از جی ایس دارا ہندوؤں رسکھوں کی طرف سے لکھے گئے سیرتی ادب میں نمایاں مقام کی حامل کتاب ہے اس کتاب کا ادبی انداز اسے ایک منفرد اور جداگانہ حیثیت عطا کرتا ہے۔

۲۔ وقائع سیرت کے ضمن میں جا بجا شاعری سے استدلال مصنف کے شعری ذوق کا آئینہ دار ہے۔

۳۔ عربی، اردو اور فارسی شعراء کے کلام کی موجودگی اس بات کی غماز ہے کہ مصنف کا شعری مطالعہ بہت وسعت اور تنوع کا حامل تھا۔ اور برصغیر کی تمام معروف زبانوں کے شعروادب سے ان کی دلچسپی یکساں تھی۔

۴۔ محاورات اور ضرب لامثال کا برمحل استعمال کتاب کی ایک انوکھی اور منفرد خصوصیت قرار دی جا سکتی ہے۔

۵۔ تاریخی حقائق سے آشنائی کے ساتھ ساتھ ادبی حس کی تسکین مطالعہ کے لطف کو دوبالا کر دیتی ہے اور جی ایس دارا کی تحریر اس خوبی کا عمدہ نمونہ ہے۔

۶۔ تاریخیت کو ادبیت کے تناظر میں پیش کرنے کا سلیقہ گوردت سنگھ دارا کی کتاب میں عمدگی سے برتا گیا ہے۔

۷۔ ہندی الفاظ کا کثرت سے استعمال خالص اردو پڑھنے والے قارئین پہ گراں گذرتا ہے۔ نیز اشعار کا متن بھی درست نہیں لکھا گیا۔

۸۔ ادبی اسلوب کی جھلک کتاب کے ابتدائی مباحث میں غالب ہے جبکہ آخر کتاب میں ایسا اسلوب کمزور پڑتا دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ عبدالماجد دریا بادی (۱۸۹۲۔۱۹۷۷ء) برصغیر پاک و ہند کی معروف علمی، ادبی اور مذہبی شخصیت تھی۔ انہوں نے ادب، انشا، فلسفہ، نفسیات، انتقاد، سوانح، سیرت، تفسیر، ترجمہ جیسے علمی و ادبی موضوعات پہ قلم اٹھایا۔ موصوف شاعر بھی تھے۔ تفصیلی حالات زندگی کے لیے دیکھیے: تحسین فراقی، ڈاکٹر، عبدالماجد دریا بادی، احوال و آثار، مطبوعہ مقالہ پی ایچ ڈی، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۲ء۔ صفحات ۵۶۸

۲۔ دارا، رسول عربی، لاہور، مجلس اردو ماڈل ٹاؤن، ۱۹۴۱ء (ریویو اخبار ہمدرد۔ دہلی) ص ۱۱

۳۔ ایضاً۔ص ۱۲

۴۔ ایضاً

۵۔ دارا، گوردت سنگھ، محمد کی سرکار، دلی پرنٹنگ ورکس دہلی، ۱۹۲۷ء۔ سرورق

۶۔ دارا، رسول عربی، ص ۱۷

۷۔ ایضاً۔ ۱۸

۸۔ ایضاً۔ (تمہید از مصنف)، ص ۱۶

۹۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۸۹، ص ۴۸۴

۱۰۔ ممتاز لیاقت، برصغیر میں سیرت نگاری (مقامی زبانوں میں غیر مسلم مصنفین کی تصانیف)، فکر و نظر (اسلام آباد)، جلد ۳۰، شمارہ ۱۔۲، ص۔ ۳۸۷

۱۱۔ ادیبانہ اسلوب سے مراد یہ ہے کہ سیرت کے واقعات کو خالص ادبی اسلوب نظم یا نثر میں مرتب کیا

جائے...... یہ اسلوب سب سے پہلے فارسی میں پیدا ہوا۔فارسی کے لٹریچر سے اردو میں آیا۔عربی میں اس کا آغاز بہت بعد میں ہوا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس اسلوب پر زیادہ کتابیں بہت بعد میں اور زیادہ اردو اور فارسی میں لکھی گئیں تو یہ درست ہوگا (دیکھئے: غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۲۔ص ۲۰۵)

۱۲۔　دارا، رسول عربی، ص ۱۵/ مرزا محمد رفیع سودا ایک دن کسی مشاعرہ میں بیٹھے تھے لوگ اپنی اپنی غزلیں پڑھ رہے تھے ایک لڑکا جس کی عمر ۱۲۔۱۳ برس کی تھی اس نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا:

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مطلع سن کر مرزا چونک پڑے پوچھا یہ مطلع کس نے پڑھا لوگوں نے بتایا کہ ایک لڑکا ہے سودا نے بہت تعریف کی مطلع کئی مرتبہ پڑھوایا اور کہا کہ ''میاں لڑکے جوان تو ہوتے نظر نہیں آتے'' اور پھر واقعی کچھ دنوں کے بعد لڑکے کی وفات ہوگئی (دیکھئے: آزاد، مولوی محمد حسین، شمس العلماء، آب حیات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز۔(س ن)،ص ۱۴۵۔۱۴۶) محمد شمس الحق نے کالی داس گپتا کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ قصہ آزاد نے شعر کو سامنے رکھ کر گھڑ لیا ہے کیوں کہ یہ شعر اس لڑکے کا ہے ہی نہیں، بلکہ پنڈت مہتاب رائے تاباں دہلوی کے شعر کی قدرے ترقی یافتہ شکل ہے تاباں میر درد کے ہم عصر تھے۔اصل شعر یوں ہے:

شعلہ بھڑک اٹھا مرے اس دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(دیکھئے: شمس الحق، محمد، اردو کے ضرب المثل اشعار، کراچی، ادارۂ یادگار غالب، ۲۰۰۳ء،ص ۱۵۲۔۱۵۳)

۱۳۔　دارا، رسول عربی، ص ۱۷۔۱۸/ اس شعر کو عام طور پہ غالب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جبکہ اس کی اصل حقیقت مرزا غالب کے میر مہدی مجروح کو لکھے گئے خط سے واضح ہوتی ہے خط میں مرزا لکھتے ہیں کہ ''بارے رفع مرض کا حال لکھو خدا کرے تپ جاتی رہی ہو، تندرستی حاصل ہوگئی ہو میر صاحب کہتے ہیں:

تندرستی ہزار نعمت ہے

ہائے پیش مصرع مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے مجھ کو بہت پسند آیا۔

تنگدستی اگر نہ ہو سالک

تندرستی ہزار نعمت ہے

(دیکھئے: خلیق انجم (مرتب)، غالب کے خطوط، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۵ء، جلد دوم، صفحہ ۵۳۷) مرزا قربان علی بیگ کا شمار غالب کے شاگردوں میں ہوتا ہے انہوں نے مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ تہ کیے (دیکھئے: سالک، قربان علی بیگ، کلیات سالک، مرتب، کلب علی خان فائق، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶، ص ۷۔۸/ شمس الحق، محمد، اردو کے ضرب المثل اشعار، ص ۱۲۔۱۳)

۱۴۔ دارا، رسول عربیؐ، ص۔۲۶/ حالی، الطاف حسین، مولانا، مسدس حالی، لاہور، بک ٹاک، ۲۰۰۵ء، ص ۴۲

۱۵۔ ایضاً۔ص ۳۳

۱۶۔ ایضاً۔۸۶

۱۷۔ ایضاً۔ص ۱۰۳

۱۸۔ ایضاً۔ص ۱۴۷/ دارا صاحب نے اس شعر کا پہلا مصرعہ ''شرع و آئین پر مدار نہیں'' لکھا ہے جبکہ دیوانِ غالب کے مختلف نسخوں میں یہ مصرع کچھ ایسے ہے ''شرع و آئین پہ مدار سہی'' یعنی ''نہیں'' کی جگہ لفظ ''سہی'' ہے اور اسی طرح دوسرے مصرعے میں لفظ'' کافر'' کی بجائے لفظ'' قاتل'' ہے (دیکھیے:

(i) غالب، مرزا اسد اللہ خان، دیوان غالب، بہ تصحیح متن و ترتیب، حامد علی خان، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۵، ص ۱۷۵

(ii) ایضاً، دیوان غالب، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۳ء، ص ۲۱۷

(iii) ایضاً، کلیات غالب، ترتیب و تدوین، ڈاکٹر محمد خان اشرف۔ ڈاکٹر عظمت رباب، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲، ص ۲۸۵)

ایسا بھی ممکن ہے کہ غالب کے دیوان کے مختلف نسخوں میں سے کسی نسخہ میں ''نہیں'' اور'' کافر'' کے لفظ ہی ہوں جہاں سے مصنف نے اخذ کیا ہو۔

۱۹۔ دارا، رسول عربی، ص ۱۵۲/ دارا صاحب نے شعر کا متن درست نہیں لکھا اور دونوں مصرعوں میں تبدیلی کر دی ہے اصل شعر کچھ اس طرح ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

(دیکھئے: اقبال، کلیات اقبال، لاہور، بزم اقبال کلب روڈ ۱۹۹۴، ص ۳۱۳)

۲۰۔ دارا، رسول عربی، ص ۱۷۰/ اس شعر میں شاعر کے تخلص ''میر'' کی وجہ سے عام خیال یہ ہے کہ یہ خدائے سخن میر تقی میر یا پھر

امیر مینائی کا شعر ہے جبکہ ایسا نہیں ہے یہ شعر نہ تو میرؔ کا ہے اور نہ ہی امیر مینائی کا بلکہ نواب محمد یار خان امیر کا ہے یہ قائم چاند پوری کے شاگرد تھے اور نواب فیض اللہ والی رام پور کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے: اور اصل شعر بھی کچھ یوں ہے:

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

(دیکھیے: شمس الحق، محمد، اردو کے ضرب المثل اشعار، ص ۱۵۵)

۲۱۔ دارا، رسول عربی، ص ۱۸۱/ اقبال، بانگ درا، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار، ۱۹۹۴ء، (نظم۔ میں اور تو) ص ۱۹۳

۲۲۔ دارا، رسول عربی، ص ۱۸۲/ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، لاہور، مکتبہ جمال، ۲۰۰۵ء، (شکوہ) ص ۲۹۲

۲۳۔ وارث سرہندی (مرتب)، جامع الامثال، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص و

۲۴۔ دارا، رسول عربی، ایضاً۔ ص ۴۶

۲۵۔ ایضاً۔ ص ۱۱۷

۲۶۔ ایضاً۔ ص ۱۳۵

۲۷۔ ایضاً۔ ص ۱۷۸

۲۸۔ ایضاً۔ ص ۱۰۶

۲۹۔ ایضاً۔ ص ۴۶

۳۰۔ ایضاً۔ ص ۱۰۶

۳۱۔ ایضاً۔ ص ۱۳۵

۳۲۔ ایضاً۔ ص ۱۷۸

۳۳۔ ایضاً۔ ص ۱۵۱۔۱۱۴

۳۴۔ ایضاً۔ ص ۶۶۔۱۴۷

۳۵۔ ایضاً۔ ص ۱۱۲

۳۶۔ ایضاً۔ ص ۱۰۴

۳۷۔ ایضاً۔ ص ۱۶۰

۳۸۔ ایضاً۔ ص ۱۰۸/ یہ ضرب المثل/ محاورہ بنیادی طور پہ حافظ شیرازی کے ایک شعر کا دوسرا مصرع ہے جو کہ

ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا مکمل شعر کچھ یوں ہے

تو و طوبی وما وقامت یار

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(دیکھئے: حافظ شیرازی، شمس الدین محمد (م۷۹۱ھ)، دیوان حافظ، انتشارات سعدی، تہران،۱۳۶۳ ش،ص۲۲)

۳۹۔ دارا، رسول عربی،ص ۶۵

۴۰۔ ایضاً۔ص ۴۷

۴۱۔ ایضاً۔ص ۱۰۷

۴۲۔ ایضاً۔ص ۱۱۲

۴۳۔ ایضاً۔ص ۱۵۱

۴۴۔ ایضاً۔ص ۱۵۸

۴۵۔ ایضاً۔ص ۱۶۰

۴۶۔ ایضاً۔ص ۴۰۔۴۱

۴۷۔ ممتاز لیاقت،''برصغیر میں سیرت نگاری'' فکر ونظر (اسلام آباد) حوالہ مذکور ص ۳۸۶

☆ وہ جو خاک کو ایک نظر سے کیمیا بنا دیتے ہیں کیا ممکن ہے کہ وہ ہم پر بھی نظر التفات فرمائیں۔/

یہ حافظ شیرازی کی غزل کا مطلع ہے شعر کا اصل متن کچھ اس طرح ہے:

آنان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمی بہ ما کنند

(دیکھئے: حافظ شیرازی، شمس الدین محمد (م۷۹۱ھ)، دیوان حافظ شیرازی، مقدمہ، دکتر سید محمد رضا جلالی بائینی، خط، حسین خسروے ایران، انجمن خوشنویساں ۱۳۷۱، شمسی۔ص۔۱۴۰)

۴۸۔ دارا، رسول عربی،ص ۲۵۔۲۸

۴۹۔ ایضاً۔ص۳۲۔۳۳

۵۰۔ ایضاً۔ص۱۶۱

۵۱۔ ایضاً۔ص۹۔۱۰

۵۲۔ ایضاً۔ص۔۵۱

۵۳۔ ایضاً۔ص۸

۵۴۔ ''عرب کا چاند'' سوامی لکشمن پرشاد (۱۹۱۳ء۔۱۹۳۹ء) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے متعلق اہل ہنود کی طرف سے لکھی گئی کتابوں میں اپنے ادبی اسلوب کی وجہ سے نمایاں مقام کی حامل ہے۔ کتاب کے اسی ادبی رنگ کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے کسی ہندو اہل قلم کی تحریر ماننے سے انکار کر دیا اور اس کتاب کے ناشر حکیم محمد عبداللہ، جو کہ دارالکتب سلیمانی کے مالک اور صاحب طرز ادیب تھے کو اصل مصنف قرار دیا کیونکہ ''اردو لکھنے کی ایسی بے پناہ صلاحیت اور حب نبویؐ سے سرشار ایسا ادیبانہ رنگ کسی ہندو کے بس کی بات نہ تھی۔'' (دیکھئے: لکشمن پرشاد، سوامی، عرب کا چاند، لاہور، مکتبۂ تعمیر انسانیت۔ طبع چہارم۔س۔ن۔ص ۷)

مآخذ:

۱۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۸۹

۲۔ دارا، رسول عربی، لاہور، مجلس اردو ماڈل ٹاؤن، ۱۹۴۱ء (ریویو اخبار ہمدرد۔ دہلی)

۳۔ دارا، گوردت سنگھ، محمد کی سرکار، دلی پرنٹنگ ورکس دہلی، ۱۹۲۷ء۔

۴۔ ممتاز لیاقت، برصغیر میں سیرت نگاری (مقامی زبانوں میں غیر مسلم مصنفین کی تصانیف)، فکر ونظر (اسلام آباد)، جلد ۳۰، شمارہ ۱۔۲